© rasailojaraid.com

ادبیاتِ فارسی میں میر کا درجہ

از: پروفیسر ڈاکٹر نظام الدین ایس گوریکر ایم اے، پی ایچ ڈی، صدر شعبۂ فارسی و اردو
سینٹ زیویرس کالج بمبئی۔ اعزازی ڈائرکٹر، انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی۔

"دنیائے اُردو میں میر محمد تقی میر خدائے سخن کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک طرف تذکرہ نویسوں نے میر کی تعریف و توصیف کی ہے تو دوسری جانب ہم عصر شاعروں نے انکے آگے سر تسلیم خم کیا ہے۔ قایم چاندپوری اپنی تالیف مخزن الشعرا میں میر کو فروغ محفلِ سخن پردازاں، اور لچھمی نرائن شفیق اپنی تصنیف چمنستان شعرا میں میر بید ان سخنوری، کے نام سے یاد کرتے ہیں تو میر حسن اپنے تذکرہ شعرائے اردو میں میر کو افصح فصحائے زمان، اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ گلشن بیخار میں اشعر شعرا، کہہ کر پکارتے ہیں۔ شیخ ناسخ کی طرح مرزا غالب بھی اپنی عقیدتمندی کا اظہار یوں کرتے ہیں سے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

اور شیخ ابراہیم ذوق اپنی بے بسی کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں سے

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

میر کو بھی اپنے فن کی عظمت کا احساس تھا اور اپنی فوقیت کا اعلان کرنے سے جھجکتے نہیں ع

معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

سلطنت مغلیہ کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ زبان فارسی کا اثر و اقتدار اور اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقبولیت بھی گھٹتی گئی اور اس کی جگہ مشترکہ عوامی زبان اردو لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ گھر گھر اردو شاعری کا چرچہ ہونے لگا حتیٰ کہ عوام مصرعوں کے لتوار در شعروں کے ستم، شاعروں کی نوک جھونک اور انکے حالات زندگی کے ذکر میں مصروف رہتے۔ جب شعرا کی تعداد بڑھی اور زمانے کے بے رحم ہاتھوں انکے مٹ جانے کا خطرہ محسوس ہوا تو فارسی کی تقلید میں فارسی زبان ہی میں شعرائے اردو کے تذکروں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔

میرؔ کے زمانہ میں فارسیت کا غلبہ تھا اور شعرالہند کے مصنف مولوی عبد السلام ندوی کے الفاظ ہیں: " اردو شاعری بالکل فارسی کے قالب پر ڈھل گئی اور ہمارے شعرا نے بالکل ایرانی شعرا کے طرز میں کہنا شروع کیا" بقول میرؔ ؎

تبعت سے جو فارسی کے میں نے ہندی شعر کہے ۔ سارے ترک بچے ظالم اب پڑھتے ہیں ایران کے بیچ

میرؔ نے شیخ سعدیؔ اور حافظ شیرازی سے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ ان کے اشعار کا ترجمہ بھی اپنے اردو شعروں میں پیش کیا۔ بعض اردو کے شاعروں نے اس زمانے میں متاخرین شعرائے فارسی میں بالخصوص ناصر علی، جلال اسیر، ابو طالب کلیم اور مرزا بیدلؔ کے رنگ میں کہنا شروع کیا لیکن خوش مذاق شعرائے اردو نے طالب آملی اور حکیم شفائیؔ جیسے مشاہیر فارسی شعرا کی روش اختیار کی۔ علاوہ ازیں شعرائے اردو کے کلام کی اندرونی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے متاخرین شعرا کے کلام سے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ ان کے کلام کو سامنے رکھ کر شاعری شروع کی۔

میرؔ نے بھی زمانے کے رجحان کے مطابق اس دور کے متعدد شعرائے فارسی میں صائب تبریزی، عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری اور مرزا بیدلؔ کی غزلوں پر غزلیں لکھیں اور ان کے اشعار کا ترجمہ بھی اردو شعروں میں پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی محاورات اور فارسی تراکیب کے ترجمے جو کثرت سے اس دور کے اردو شعرا کے کلام میں نظر آتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہیں وہ اسی تقلید و تتبع کا نتیجہ ہے۔ میر نے بھی خزانۂ فارسی سے زبانِ اردو کو مالا مال کیا۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ میر کی فارسی شاعری میں ایرانی لب ولہجہ قریب قریب مفقود رہے تاہم انکی فارسی نثر میں پختگی پائی جاتی ہے۔

میر محمد تقی میر آگرہ (اکبرآباد) میں ۱۷۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ تقریباً نوے برس کی عمر پائی اور ۱۸۱۰ء میں انتقال ہوا۔ سات سال کی عمر سے میر نے سید امان اللہ کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ بقول خود "روز شب ان کے ساتھ رہتا اور قرآن شریف پڑھتا تھا۔" سید امان اللہ میر کے والد ماجد کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ اور میر کو بھی ان سے بے حد انس تھا۔ سید امان اللہ کے علاوہ احسان اللہ بایزید اور اسد اللہ جیسے بزرگ صوفیوں کی صحبتوں سے فیضیاب ہوتے رہے اور یہ ان ہی صوفی منش بزرگوں کی صحبتوں کا اثر ہے کہ میر وسیع المشرب، مرنجان مرنج، صلح کل، یار باش اور دوست نواز ہو گئے۔

رسمی درسیات کی تکمیل کے پہلے ہی میر کے والد ماجد اور عم بزرگوار دونوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر بمشکل دس سال کی تھی۔ کم عمری کے باوجود میر کو درست اور نادرست محاورہ کا احساس تھا۔ در اصل میر نے اپنے سوتیلے ماموں سراج الدین خاں آرزو سے جو علم و فضل میں یگانۂ روزگار اور امام المتاخرین کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں، کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ دوسرے لفظوں میں میر کے غنچۂ استعداد کی شگفتگی خانِ آرزو کی رہینِ منت ہے محض استاد کی حیثیت سے ہی ان کے تراکیب والفاظ کی میر نے خوشہ چینی نہیں کی۔ بلکہ زبان کے قواعد واصول بھی ان سے سیکھے اس سے انکار نہیں کہ اپنے تذکرۂ نکات الشعراء میں میر نے خانِ آرزو کو اپنا استاد، پیر و مرشد بندہ لکھا ہے لیکن اپنی تالیف ذکر میر میں خانِ آرزو کی سلامتی و علالت کی شکایت کی ہے۔ اس میں جہاں اور باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں میر نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میر جعفر عظیم آبادی، سعادت علی امروہوی اور یاران شہر سے فیضیاب ہونے کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز میر بازار میں انشار اور مکتوبات کی کتب میں سے ایک کتاب کا جزو لے کر پڑھ رہے تھے کہ میر جعفر وہاں سے گذرے۔ میر کے ہاتھ میں کتاب کا جزو دیکھ کر انہوں نے فرمایا: غالباً تمہیں پڑھنے کا شوق ہے! اگر واقعی ایسا ہے تو میں تمہیں پڑھانے کے لئے آجایا کروں گا۔ میر نے جواب میں کہا: میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ اگر آپ یوں ہی زحمت فرمائیں گے تو بڑی نوازش ہوگی۔ میر جعفر نے فرمایا: مگر بغیر ناشتہ کے میرے لئے کہیں آنا جانا ممکن نہیں۔ میر نے کہا میں خود تنگ دست ہوں مگر خدا رزاق اور مسبب الاسباب ہے یہ مشکل بھی آسان کر دے گا۔ ناگاہ ایک خط ان کے وطن سے آیا اور وہ فوراً چل کھڑے ہوئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد میر کی ملاقات سعادت علی امروہوی سے ہوئی۔ انھوں نے ریختہ میں شعر کہنے کی ترغیب دلائی اور میر نے اسقدر مشق کی کہ شہر کے مستند اردو شاعروں میں شمار ہونے لگے۔ اس سلسلہ میں میر خود فرماتے ہیں کہ "سعادت علی امروہوی میری شعر گوئی کے محرک ہوئے"۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سنگریزہ ان ہی کی کوشش سے دُرِّ عدن بن گیا ورنہ اس زبان کی طرف کون متوجہ ہوتا ہے

دل کس طرح نہ کھینچیں اشعار ریختہ کے ۔۔۔ بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کو ہنر سے

اردو زبان پر انہیں ناز ہے اور وہ بہانگ دہل فرماتے ہیں ؎

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

میر کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فارسی اور عربی میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ اگر فارسی میں ادیب کامل کا درجہ رکھتے تھے تو عربی میں مطول تک استعداد حاصل کی تھی۔ ذکر میر اور فیض میر سے انکی جہد بلیغ کا اظہار ہوتا ہے۔ بزم سخن اردو میں میر کی میر مجلسی مسلم ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس زمانے میں میرؔ نے فارسی میں طبع آزمائی شروع کی اس وقت اردو زبان فارسی کے زیر اثر تھی۔ اور ریختہ کے مسلم الثبوت اساتذہ فارسی میں بھی شعر موزوں کر لیتے تھے۔ اس ضمن میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا۔ کہ میرؔا ور سوؔدا دونوں فارسی میں بھی لکھا کرتے تھے اور غالبؔ اور مومنؔ بھی فارسی میں اچھی استعداد رکھتے تھے۔ غالبؔ اردو کو مجموعۂ بے رنگ کہا کرتے تھے۔ لیکن فارسی کے نقش ہائے رنگ رنگ پر انہیں ناز تھا۔ اس زمانے میں ملا ظہورؔی، نظیرؔی نیشاپوری، طالبؔ آملی، ابوطالب کلیم اور مرزا بیدلؔ کے طرز کو پسند کیا جاتا تھا اور شعر کی خوبی کا انحصار نکتہ یابی اور معنی آفرینی پر تھا۔ میرؔ نے زمانے کی روش کو اختیار نہیں کیا بلکہ اپنی فطری اقتضا اور جبلی فطرت کو رہنما بنایا۔ سادگی اور بے ریائی جو ان کی طبیعت میں تھی۔ وہی ان کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے۔ انداز اور اسلوب جو اردو کا ہے وہی فارسی کے لبادہ میں بھی جلوہ گر ہے اور دل برشتگی اور لب تشنگی جو میرؔ کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت ہے فارسی میں بھی نظر آتی ہے ؎

بہ جمع ماتمیان حرفِ من اثر دارد　　　　بہ بزم عیش نفہمد کسی زبان مرا

میرؔ اس عہد کی پیداوار ہیں جب ہندوستان میں فارسی زبان کے اثرات کم سے کم ہو رہے تھے اور جب اہل علم انشا پردازی میں مبالغے سے کام لے کر اس کو دراز نغم اور معمار بنا رہے تھے۔ لیکن ہر دور کی طرح اس عہد کی مناسبت سے اچھے نثر نگار بھی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اور زمانے کی بگڑی ہوئی روش کے باوجود بڑی حد تک اچھے افکار اور صحیح تناسب و توازن کو حتی الامکان باقی رکھنے کی کوشش کی گئی اور اسی لیے ان کے نثری کارنامے اس کا بڑا ثبوت ہیں۔ اس وقت ایک رجحان یہ بھی تھا کہ ارباب علم و فضل چھوٹے چھوٹے جملوں اور فقروں میں اپنے مطلب کو بیان کرنے اور طویل اور الجھی ہوئی عبارتوں سے اجتناب کرنے۔ فیض میر کے مقدمہ میں میرؔ کی فارسی دانی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارے میں مسعود حسین رضوی لکھتے ہیں کہ "میر کو فارسی زبان پر عبور تھا اور فارسی نثر لکھنے کی جو قدرت انہیں تھی۔ وہ ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہے جنھوں نے ذکر میر اور ان کا تذکرہ نکات الشعرا دیکھا ہے۔ میر کے ہم عصر بھی ان کی نثر کی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میر حسن نے ان کی نظم کے ساتھ ان کی نثر کی بھی تعریف کی ہے۔ میر بالعموم مقفیٰ عبارت لکھتے ہیں۔ لیکن قافیہ کے التزام سے عبارت کی شگفتگی، بے ساختگی اور روانی میں فرق نہیں آتا۔ شاید کہیں کہیں تصنع آگیا ہو لیکن زیادہ تر عبارت کا حسن بڑھ جاتا ہے۔"

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ میر کو الفاظ، محاورات اور تراکیب پر حتمی قدرت حاصل تھی تاہم انکا بکثرت استعمال عبارت کو بغیر ضرورت کے مشکل بنا دیتا ہے۔ جس سے تحریر کی روانی اور سلاست میں قدرے فرق آجاتا ہے۔ نیز اس قسم کے تصرفات کو آورد سے پاک نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے ایسے محاورات یا تراکیب جو ہندی اصول پر وضع کئے گئے ہیں ان کے سمجھنے میں فارسی دانوں کو دشواری پیدا ہوتی ہے۔ بقول نثار احمد فاروقی: "مولوی عبدالحق نے میر کی فارسی کی تعریف کی ہے اور ان کی نثر کو سادہ اور شیریں بتایا ہے یہ ایک حد تک صحیح ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا ابتدائی حصہ میر نے خاصی محنت سے لکھا ہے اور اس دور کے مرزایان ایران کی نقل کے شوق میں عبارت کو اسقدر ادق بنا دیا ہے کہ بعض الفاظ کی تشریح خود انہیں حاشیے پر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ذکر میر کے الفاظ و محاورات سوائے چراغ ہدایت کے کسی اور لغت میں مشکل ہی سے ملتے ہیں۔"

میر اصلاً شاعر ہیں لیکن ان کی نثر میں بھی شعر کا لطف آتا ہے۔ فارسی شعرا کا کلام ان کے دل و دماغ پر اسقدر گھر کر گیا تھا کہ موقع بہ موقع اسے صرف کرتے رہے بقول کسی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر رنگی کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدرت را می شناسم

نکات الشعرا یہ اردو کے تقریباً سو شاعروں کا تذکرہ ہے جو فارسی زبان میں میر نے لکھا ہے۔ یہ ریختہ گویوں کا دراصل سب سے پہلا تذکرہ ہے اگرچہ اس میں شعرا کے حالات مختصراً تحریر کئے گئے ہیں۔ تاہم جو کچھ ہیں وہ بہت غنیمت ہیں۔ میر نے اس میں کہیں کہیں کسی شاعر پر اعتراض بھی کیے ہیں اور بہت سی جگہ دل کھول کر داد بھی دی ہے۔ جس سے ہلکی سی تنقید کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ تنقید اگرچہ مختصر ہے لیکن منصفانہ ہے۔ جہاں کہیں کسی شاعر کا حال زیادہ معلوم نہیں ہے تو صاف لکھدیا ہے کہ اس کے حال سے آگاہی نہیں یا اس قسم کا کوئی اور جملہ اپنے بارے میں میر نے صرف اسقدر لکھا ہے کہ "مولف این نسخہ متوطن اکبرآباد است۔ بسبب گردش لیل ونہار ازچندی در شاہجہان آباد است۔" اس تذکرہ میں جو معلومات معاصر شعرا کے متعلق ہے وہ قابل ذکر ہے۔ اس کی عبارت سلیس اور بامحاورہ ہے مگر تصنع اور مبالغے سے پاک ہے۔ میر نے اس تذکرہ میں بلاشبہ فارسی تذکروں کی تقلید کی ہے۔ شعرا کے کلام اور ان کی سیرت سے متعلق بیانات اسقدر جامع اور آرا اسقدر متقدر ہیں کہ میر کے ذوق ادب اور سخن شناسی کے ساتھ ان کے استادانہ کمال کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے۔ نکات الشعرا کی انہیں خصوصیات کی وجہ سے اس عہد کے تنقیدی ذوق کی تربیت میں بڑی مدد دی ہے اور آئندہ کے تذکروں پر ایک گہرا نقش چھوڑا ہے۔

ذکر میر یہ میر کے واقعات زندگی اور سوانح حیات کا فارسی میں مجموعہ ہے۔ اس میں ان کے شاعرانہ کمالات کا ذکر نہیں ہے تاہم اس کی تاریخی حیثیت مسلم ہے سلطنت مغلیہ کے آخری دور کی کمزوریوں اور شریف گھرانوں کا عبرتناک مرقع ہے۔ اس کا اسلوب بیان از حد چست ہے مگر کہیں کہیں مقفیٰ بھی ہے۔ لیکن عام روش کے مطابق مطلب ومقصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ذکر میر اگرچہ میر کی ادبی زندگی کی آئینہ دار نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاہم اپنے عہد کے کوائف و حالات کی عکاس ہے۔ اس میں نادر شاہ کی جنگ سے لے کر ضابطہ خاں کے قتل تک کے واقعات موجود ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ ۱۷۴۸ء سے ۱۷۹۰ء تک کی تاریخ ہے۔ دہلی کی خانہ جنگیاں، مرہٹوں، جاٹوں، روہیلوں اور افغانوں کی لڑائیاں، نوابانِ اودھ کے معرکے، انگریزوں کے مورچے، عمائدین شہر کی شازشیں اور ہندو مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات سب کا ذکر اس کتاب میں موجود ہے۔

فیض میر یہ فارسی زبان میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جسے میر نے اپنے صاحبزادے فیض علی کے لیے مرتب کیا۔ اس میں درویشوں کے پانچ قصے اور میر کی عقیدتمندی کا بیان ہے۔ آخر میں کچھ ہلکے پھلکے لطیفے اور حکایتیں بھی ہیں۔ ان میں چند فحش بھی ہیں جن سے اس زمانے کا مذاق معلوم ہوتا ہے۔

دریای عشق اپنی مثنوی دریائے عشق کو میر نے فارسی نثر میں بھی لکھا ہے۔ یہ رسالہ ایک قلمی بیاض کی صورت میں ملتا ہے۔

نثری کارناموں کے دیکھنے کے بعد اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی نثر ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ مادری زبان نہ ہونے کی وجہ سے میر سے فارسی کے بعض محاورات کے استعمال میں لغزشیں سرزد ہوئی ہیں تاہم ان کا اسلوب بیان طرز نگارش قابل داد ہے۔

میر جس طرح اردو زبان کے ایک بلند پایہ شاعر ہیں اسی طرح فارسی میں بھی وہ بجا طور پر استاد کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری اور صائب تبریزی جیسے مشاہیر اساتذۂ فارسی کے پہلو میں میر کو جگہ نہیں دی جا سکتی لیکن ریختہ گو شعرا میں فارسی شاعری کی حیثیت سے بھی 'میر' نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ میر اصلاً اردو کے شاعر ہیں۔ باایں ہمہ فارسی میں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو کچھ انھوں نے کہا ہے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ مصحفی اپنے تذکرۂ عقدِ ثریا میں میر کے متعلق رقم طراز ہیں کہ " دعویٰ شعرِ فارسی ندارد مگر فارسیش ہم کم از ریختہ نیست "۔ اور سراج الدین خاں آرزو اپنی تصنیف مجمع النفائس میں میر کی فارسی شاعری کے بارے میں بھی لکھتے ہیں کہ " در اول مشق اشعارِ ریختہ کہ بزبان اردو شعر نیست بطرزِ شعرِ فارسی نو غل بسیار نمودہ چنانچہ شہرۂ آفاق است و بعد آن بگفتن اشعار فارسی بطرزِ خاص گردید قبول خاطر ارباب سخن و دانایان این فن گشت "۔ میر کا فارسی کلام ان کی فارسی نثر کے مقابلے میں اگرچہ قابل اعتنا نہیں ہے لیکن قابل ذکر ضرور ہے۔ اس امر سے بھی انکار نہیں کہ میر کو ہندوستان کے کہنہ مشق فارسی گویوں کے صف اول میں جگہ نہیں دی جا سکتی لیکن بقول مصحفی میر نے اپنے فارسی شعر کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور غالب کے برعکس وہ اس کو قابل اعتنا تصور نہیں کرتے تھے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک شاعری جذبات قلبیہ کے ہیجان کا نتیجہ ہے۔ جب شعر تفنن طبع کی نیت سے کہا جائے تو اس کا کوئی خاص درجہ نہیں رہتا بلکہ وہ ایک ہنگامی اور وقتی چیز بن جاتی ہے۔ میر نے اپنا فارسی دیوان خانہ پری کے لئے لکھا تھا۔ بقول خود " سالے ریختہ موقوف کردہ بودم در آن حال دو ہزار شعر گفتہ تدوین کردم "۔ یہ کلام کمیاب ہے۔ مولانا عبد الباری آسی نے ایک مکمل دیوان قلمی کا ذکر کیا ہے۔ مسعود حسن رضوی کے کتب خانہ میں ایک فارسی دیوان کا نسخہ موجود ہے۔ جو دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ایک قلمی بیاض علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی ہے۔ جس میں تقریباً تین ہزار اشعار ہیں اور آخر میں یہ عبارت درج ہے " دیوان نظم فارسی کہ میر تقی میر گفتہ اند نوشتہ شد " ایک اور قلمی نسخہ مکتوب ۱۲۱۱ھ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد میں موجود ہے اور جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ " تمام شد دیوان فارسی از میر تقی میر اس دیوان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مثنوی ہے جس کا عنوان ہے " در فراق شہر ہند" یہ مثنوی پچاس ورقوں پر مشتمل ہے۔ اور ان کے زورِ تخئیل ہی نہیں بلکہ ان کے خون جگر کا نتیجہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ میر کی شاعری کی ابتدا اردو سے ہوئی اور چونکہ ان کے عہد تک فارسی برسرِ اقتدار تھی۔ اور ہر ریختہ گو شاعر زمانے کے میلان ورواج کے مطابق فارسی میں بھی کچھ نہ کچھ طبع آزمائی کرتا تھا۔ لہٰذا میر کے لیے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس میدان میں کسی سے پیچھے رہتے۔ یہی جذبہ انکی فارسی شاعری کا محرک رہا۔

اس ضمن میں یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میر کا بچپن آفات ومشکلات کی گود میں کٹا، جوانی پریشانی وتنگ دستی کے سایہ میں بسر ہوئی اور بڑھاپا فقروفاقہ کی چھاؤں میں کٹا یا یوں کہئے کہ میر کی ساری زندگی مصائب وآلام اور ناامیدی و مایوسی کی مستقل کتاب ہے۔ جو ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے ترک دنیا بے ثباتیِ عالم، اور سہہ گیری عشق سے متعلق حاصل کی تھی روز بروز زیادہ پائدار ہوتی گئی۔ اور ان کی یاس انگیز فطرت کو مضبوط تر کر دیا۔ ان کا مخصوص قنوطی رنگ، دنیا کی ناپائداری و بے ثباتی کا ذکر، عشق اور اس کے مختلف مدارج ومنازل کا بیان، تصوف کے مسائل اور ریاکاری وسادوسی کی مذمت جس طرح ان کے اردو کلام میں ہے اسی طرح فارسی میں بھی موجود ہے اپنی برتری کا احساس، اپنی استادی کا یقین، اپنے کلام پر اعتماد جس طرح ان کے اردو اشعار سے ظاہر ہوتا ہے فارسی کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اردو اور فارسی کے ہم مضمون شعروں سے ایک بات عیاں ہوتی ہے کہ میر کی طبیعت فارسی کے مقابلے میں اردو میں زیادہ رواں ہے اور میں غم انگیز وجدان میں تنوع کے امکانات زیادہ نہیں ہوتے اس لیے جو داستان غم اردو میں بیان کی گئی ہے۔ فارسی میں بھی کم وبیش منتقل کر دی ہے۔ ملاحظہ ہوں میر کے چند اردو وفارسی کے ہم مضمون وہم معنی اشعار :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اردو	فارسی
نہ دیکھا میرؔ آوارہ کو لیکن غبار اک ناتواں سا کو بکو تھا	ندیدم میرؔ را در کوی او لیک غبار ناتوانی با صبا بود
گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا	گل و آئینہ و مہ و خورشید ہر کسے رو بسوی تو دارد
مو قوف حشر پہ ہے سو آتے بھی وہ نہیں کب درمیاں سے وعدۂ دیدار جائیگا	ہر چند گفتہ اند کہ ای میرؔ روز حشر دیدار عام می شود اما نمی شود
غلط تھا آپ سے غافل گزرنا نہ سمجھا ہیں کہ اس قالب میں تو تھا	غلط کردم کہ رفتم من از خود ندانستم درین قالب خدا بود
منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہیگا	منعم ای خانہ خراب این ہمہ شوق تعمیر سالہا ساختۂ جاہ و مکان آخر ہیچ
آہوں کے شعلے جس جا اٹھتے تھے میرؔ سے شب واں صبح جا کے دیکھا مشت غبار پایا	درآن جائی کہ سری زد شب از شعلہ من آہے نشد معلوم آن جا صبح دم غیر از کف خاکی ہے
مستی میں چھوڑ دیر کو کعبے چلا تھا میں لغزش بڑی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا	
رہ رسم خانقاہ سے واقف نہ تھا یہ میر جب میکدے کے پاس سے گزرا پھسل گیا	

© rasailojaraid.com

رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بل ہم بھی
شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا

از رہِ طلب خبر نہ داریم
ماییم و ہمیں شکستہ پاییم

جگر ہی میں یک قطرۂ خوں ہے سرشک
پلک تلک گیا تو تلاطم کیا

دلی در سینۂ من قطرۂ خون بود ست
چون بچشم آمد از شیوۂ طوفان دیدم

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لیکر

این نہ پنداری کہ مردن موجب آسودن است
مرگ ہم یک منزل ست از راہِ بی پایان ما

دیر و حرم سے گذرے اب دل ہے گھر ہمارا
ہے ختم اس آبلہ پر سیر و سفر ہمارا

رفتۂ شوق شود دیر و حرم را بگذار
طوف کن میرؔ بہر در بہ سجود آمدہ را

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

وقت آن کسی خوش کہ گلزار جہاں را دید و رفت
ہم چو گل بر بی ثباتیہای خود خندید و رفت

پھر نوحہ گری کہاں جہاں میں
ماتم زدۂ میرؔ اگر نہ ہوگا

من ای ہمدم مصیبت دیدۂ چون میر کم دیدم
سخن از محنت خود تا بگوید چشم تر دارد

[illegible] کا سب ہے گلشن میں زمانے کے
گل [illegible] ہے ان نے پروانہ بنا رکھا

جلوہ ہا داریم و از ہر جلوہ بی خود گشتہ ایم
خود تماشاییم و خود محو تماشا گشتہ ایم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اردو کی طرح فارسی میں بھی میرؔ نے قریب قریب ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ اور ہر قسم کے مضامین کو نظم کیا ہے بلکہ اکثر مقامات پر فارسی میں جو مضامین انھوں نے نظم کئے ہیں ان کی مثال اردو میں بمشکل ملتی ہے۔ بالفاظ دیگر میرؔ کی فارسی شاعری میں بہت سے ایسے موتی ملیں گے جن سے اردو شاعری کا دامن خالی ہے۔

عشق وہ ایک موضوع ہے جس کے تمام حزنیہ پہلوؤں پر میرؔ کی نظر گئی ہے اور بڑی دل سوزی اور آب ورنگ کے ساتھ انھوں نے اپنی شاعری میں سمو کر پیش کیا ہے۔ اگرچہ اردو میں انکے جوہر کھلتے ہیں۔ لیکن فارسی میں بھی کہیں وہی سوز وگداز پیدا ہو جاتا ہے ؎

عشق یارب چہ بلا است کہ بیش بے جرم
می رود میرؔ بپائے گنہگار رود

از دل چہ حکایت کنم اکنون کہ بجا نیست
زین بیشتر این قطرۂ ہم جگری داشت

دل می کشد بہ صحرا ہنگام کار آمد
شوری ست در سرمن شاید بہار آمد

مہر شد مفقود یا این جا محبت رسم نیست
یا مزاج ما دگر شد یا جہاں دیگر است

عشق تا بکجا ز درد مژگان ترکن
بر خیز و فسانۂ محبت سر کن

اہل تصوف کی طرح میرؔ نے بھی ناپائیداریٔ دنیا پر قلم اٹھایا ہے ؎

وقت رحیل آہ بخواب گران گذشت
تا چشم وا کنم ز نظر کاروان گذشت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمر و طرزِ رفتنِ اہلِ جہانم داغ کرد
عالمی بگذشت ازین راہ و نشان معلوم نیست

میر دنیا رہ گذاری بیش نیست
آسمان گرد و غباری بیش نیست
بستۂ وہم است نقشِ زندگی
ورنہ ہستی اعتباری بیش نیست

نوحہ گری و درد سرائی میر کی زندگی کا مسلک رہا ہے ؂

از غریقِ بحر من چہ آگاہی
خاکِ افتادگانِ ساحل را

بہ مردن تسلی شد ورنہ میر
نہایت نبود آرزوی مرا

ز ضعف ہر نفسم چشم بستہ می گردد
ترا خیال کہ مایل بخواب می گردم

میر کی رباعیوں میں بھی حسرت و یاس، مایوسی و نومیدی کی جھلک دکھائی دیتی ہے ؂

دل کہ در سینۂ من تپید مرا
این زبان از مژہ چکید مرا
دست ہر دم بہ تیغ بردن او
میر در خاک و خون کشید مرا

عمرِ من بر درِ کسی بگذشت
کہ نیامد یکی بخانۂ ما
حیف در شورزار عالم میر
سبز ناگشتہ سوخت دانۂ ما

میر کے کلام ان کا شاعرانہ آرٹ صورت پذیر ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں میر نے شعر نہیں کہے ہیں بلکہ "دل" اور "دلی" کے مرثیے لکھے ہیں۔ اور اس طرح محبت اور انسانیت کو جلا بخشی ہے۔

باقی صفحہ پر

© rasailojaraid.com